اجتہاد اور اس کا تاریخی ارتقاء

محمد انس حسان

اجتہاد کے لغوی معنی کسی مقصد کو حاصل کرنے کی انتہائی کوشش کرنا، زحمت برداشت کرنا، مشقت اٹھانا ہیں۔ اصطلاحاً اجتہاد عبارت ہے اس کوشش سے جو کسی قضیے یا حکم شرعی کے بارے میں بحدِ امکان ذاتی رائے (ظن غالب) قائم کرنے کے لیے کی جائے۔(۱)

اجتہاد کا مادہ ''جہد'' ہے جس کے معنی کوشش، محنت اور سعی کرنے کے ہیں۔ اجتہاد کسی قابل مشقت مکلّف کام کے انجام دینے میں مقدور بھر کوشش کرنے کو کہتے ہیں، اسی لیے اس مادہ کا استعمال پتھر اٹھانے میں ہوتا ہے، رائی اٹھانے میں نہیں۔ کسی مقصد کو پانے کے لیے استدلال کے پہلو سے اپنی تمام کوشش صرف کر دینا، ظن وگمان کے درجہ میں کسی شے کے حکم شرعی کو تلاش کرنے کے لیے اپنی تمام کوشش صرف کر دینا۔ اسی طرح اس بات پر گویا تمام فقہاء متفق ہیں کہ ''اجتہاد'' تب بنتا ہے جب مجتہدین خالی الذہن ہو کر کسی معاملے کے شرعی حکم کو دریافت کرنے کے لیے اپنی پوری کوشش اور ہمت صرف کریں اور تمام ممکنہ ذرائع معلومات سے استفادہ کر کے اس کے حکم پر پہنچنے کی کوشش کریں۔(۲)

مولانا محمد تقی امینی رحمہ اللہ اجتہاد کی تعریف ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:

> ''اجتہاد کے لغوی معنٰی ہیں کسی بات کی تحقیق میں انتہائی جدوجہد کرنا۔ کلامِ عرب میں یہ لفظ ایسی جدوجہد میں استعمال ہوتا ہے جس میں محنت شاقہ برداشت کرنی پڑے۔ چنانچہ **اجتھد فی حمل الرحاء** (چکی کا پاٹ اٹھانے میں اس نے جِدّوجُہد کی) کہنا درست ہے اور **اجتھد فی حمل خردلة** (رائی کا دانہ اٹھانے میں اُس نے جدوجہد کی) کہنا صحیح نہیں ہے''۔(۳)

شیخ محمد ابوزہرہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

> ''فقہ اسلامی میں اجتہاد یہ ہے کہ فقیہہ دلائل شرعیہ سے عملی احکام مستنبط کرنے کی کوشش کرے اور اس کوشش میں اپنی تمام قوت کو کھپا دے۔''(۴)

ڈاکٹر صبحی صالح مرحوم نے اجتہاد کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

> ''اجتہاد کے لغوی معنی امکانی کوشش صرف کرنے کے ہیں اور اصطلاحِ شرع میں اس امکانی کوشش کے صرف کرنے کا نام ہے جو دلائل شرعیہ کے ذریعے استنباطِ احکام کے لیے کی جائے، بالفاظِ دیگر وہ کوشش جو مذکورۃ الصدر اصولِ اساسی کی وساطت سے احکامِ شرع کے استخراج کے لیے کی جائے۔''(۵)

اجتہاد ایک بے لاگ اور انتھک کوشش کا نام ہے۔ گویا اس میں احکامِ ادلّہ سے استفادہ کرتے ہوئے اور

دینی مصالح کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس طرح احکامات کی تشریح وتوضیح کی جاتی ہے جو زمانہ سے مطابقت رکھتے ہوئے بھی دین کی روح کے خلاف نہ ہوں۔ چنانچہ پروفیسر ضیاء الدین لکھتے ہیں:

''اجتہاد کے لغوی معنی ہیں کوشش کرنا' لیکن فقہی اصطلاح میں اجتہاد اس کوشش کو کہتے ہیں جو کسی ایسے شرعی مسئلہ میں آزادانہ اور بے لاگ رائے قائم کرنے کے لیے کی جائے جس کی پوری صراحت قرآن حکیم یا حدیث میں موجود نہ ہو' لیکن جس کی اساس' روح' مذہب نیز معاشرہ کے تقاضوں پر مبنی ہو۔''(۶)

لفظ اجتہاد کے لغوی معنی تو کوشش کرنا ہیں مگر اصطلاحی معنی میں اسلامی معاشرے میں کسی نئی صورتحال یا کسی نئے مسئلے کے پیش آنے پر عمیق غور وفکر کے بعد قرآن وسنت اور صحابہ کرامؓ اور فقہائے عظام کی آراء کی روشنی میں اور اسلام کی روح کے مطابق آزادانہ رائے قائم کرنا یا قانون سازی کرنا اجتہاد کہلائے گا۔(۷)

اہلِ اصول کے ہاں اجتہاد سے مراد ہے کسی شرعی حکم کے استنباط میں فقیہہ کا اس حد تک محنت سے کام لینا کہ اس سلسلہ میں مزید محنت اس کے بس سے باہر ہو۔ یہاں پر یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ اجتہاد وہیں ہوتا ہے جہاں پر کسی شرعی حکم میں کوئی قطعی دلیل نہ ہو۔ مثلاً وجوبِ صلوٰۃ وزکوٰۃ کے بارے میں کوئی اجتہاد نہیں' کیونکہ دونوں کا ثبوت قطعی دلیل قرآن مجید سے ہو چکا ہے۔(۸)

اس پر مزید روشنی مولانا محمد تقی امینی ؒ نے ان الفاظ میں ڈالی ہے:

''قوانین شرعیہ کی دریافت میں پوری محنت اور جدوجہد صرف کرنا۔ یہ دریافت تفصیل دلائل سے حاصل ہوتی ہے' ان دلائل کا مرجع کتاب وسنت' اجماع اور قیاس ہیں۔''(۹)

مولانا گوہر رحمٰن ؒ رقمطراز ہیں:

''اجتہاد کسی مجتہد اور فقیہہ کی اس علمی تحقیق وکاوش اور پوری علمی قوت صرف کرنے کو کہتے ہیں جو غیر منصوص مسائل (نئے مسائل) کے احکام شرعیہ معلوم کرنے کے لیے کی جائے۔ معلوم ہوا کہ اجتہاد صرف نئے مسائل کو منصوص مسائل پر قیاس کرنے ہی کو نہیں کہا جاتا' بلکہ قرآن وسنت کی نصوص کو سمجھنے' ان کی تفسیر اور تشریح کرنے کو بھی اجتہاد کہا جا سکتا ہے۔''(۱۰)

پروفیسر محمد عثمان اجتہاد کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''اسلامی فکر کی اصطلاح میں اس (اجتہاد) کا مطلب اسلامی تعلیمات کی روح کے مطابق کوئی قانون وضع کرنا یا کسی نئی صورتحال میں آزادانہ فیصلہ (فتویٰ دینا) ہے' دوسرے لفظوں میں نئے حالات اور نئی ضروریات میں کتاب وسنت کی روح کے مطابق قانون سازی کرنا اور اجتماعی تنظیم کے لیے ضوابط مقرر کرنا اجتہاد ہے تاکہ زمانے اور ماحول کے اختلافات کے باوجود اسلام کے بنیادی تقاضے پورے ہوتے رہیں اور زندگی کے نظم وضبط اور ترقی وارتقاء میں بھی خلل واقع نہ ہو۔''(۱۱)

جہاد اور اجتہاد کا مادہ ایک ہے۔ اجتہاد اور جہاد ان معنوں میں بھی ربط وتعلق رکھتے ہیں کہ دونوں کا تعلق منشائے الٰہی کے مطابق حرکت حیات کے زیر اثر تبدیلیوں سے دوچار ہونا ہے۔ جہاد کا میدان مکان ہے اور اجتہاد کا تعلق زبان اور نفسِ انسانی سے ہے' اگرچہ زمان کے ساتھ مکان بھی اس میں شامل ہو جاتا ہے۔

اجتہاد ان معنوں میں تطابق وتوافق کا نام ہے کہ یہ زندگی کی تبدیلیوں کو اصول اسلام کے مطابق بنانے کی

کوشش ہے۔(۱۲)

ڈاکٹر محمود احمد غازی مرحوم نے اجتہاد کے معنی میں ''انتہائی کوشش'' کے مفہوم کی وضاحت بڑے دلکش انداز میں پیش کی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

''اجتہاد کے لفظی معنی ہیں انتہائی کاوش اور انتہائی کوشش۔ یہ انتہائی کا لفظ اس مفہوم میں شامل ہے۔ فقہاء نے اس کی تعریف کی ہے ''استفراغ الوسع''۔ استفراغ کے معنی ہیں ایگزاسٹ کرنا اور وسع کے معنی ہیں صلاحیت۔ انگریزی میں اجتہاد کے مفہوم کو بیان کرنا ہو تو یوں کہا جائے گا:

To exhast your capacity to discover Shariah ruling about a new situation in the light of the Quran and Sunnah.

قرآن و سنت کی روشنی میں کسی نئی صورتحال کا حکم معلوم کرنے کے لیے اپنی صلاحیت کو پورے طور پر استعمال کر ڈالنا' علم اور صلاحیتوں کو اس طرح نچوڑ دینا کہ اس سے آگے صلاحیت کے استعمال کرنے کی کوئی حد یا سکت باقی نہ رہے۔ اس عمل کا نام اجتہاد ہے۔''(۱۳)

اجتہاد کی تعریف سے مجتہد اور محل اجتہاد کی تعریف بھی معلوم ہو جاتی ہے۔ مجتہد وہ ہے جو احکام شرعیہ کے جاننے کے لیے اپنی پوری قوت صرف کر دیتا ہے اور محل اجتہاد وہ مسائل ہیں جن کے بارے میں کوئی نص قطعی وارد نہیں۔(۱۴)

اجتہاد کا بنیادی مقصد انسانی سوچ اور حالات میں تبدیلی کے امکانات و اثرات کو منظم کرنا ہے۔ چنانچہ اس کا اوّلین مقصد دین کا تحفظ ہے' جو اسی صورت میں ممکن ہے کہ تبدیل ہوتی دنیا کے نتیجے میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات کا شرعی حل دریافت کیا جائے۔ جو لوگ اسلامی احکام میں اپنی ذاتی خواہشات یا موجودہ مغرب نواز تمدن کی بنا پر تبدیلی کرنا چاہتے ہیں وہ اجتہاد کی ایک نئی تعریف کرتے ہیں۔ چنانچہ پاکستان میں عائلی کمیشن نے اپنی رپورٹ میں اجتہاد کی تعریف یوں پیش کی ہے:

''لفظ اجتہاد کے معنی کوشش کرنے کے ہیں اور اسلامی قانون کی اصطلاح میں اس کا مفہوم کسی قانونی مسئلہ پر آزادانہ رائے قائم کرنا ہے۔''(۱۵)

اگر یہ لوگ اجتہاد کی مروّجہ تعریف کی بجائے ایک نئے اجتہاد کی تعریف کرتے تو اور بات تھی' لیکن اسلام کے نام پر فقہ کے ایک اہم رکن کی غلط تعریف کرنا علمی دیانت کے زمرے میں نہیں آتا۔

اس کے برعکس اسلامی قانون کے ماہرین میں سے ایک مستند فقیہہ علامہ آمدی اجتہاد کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''لفظ اجتہاد مخصوص ہے اس انتہائی کوشش کے لیے جو کسی امر شرعی کے بارے میں یہ گمان حاصل کرنے کے لیے صرف کی جائے کہ یہ شرع کے موافق ہے۔''(۱۶)

اب اسلامی قانون کے ماہرین اور عائلی کمیشن کی تعریفات کا تقابلی جائزہ لیں اور فیصلہ کیجیے کہ کیا اجتہاد آزادانہ رائے قائم کرنے کا نام ہے یا شریعت کی موافقت کا نام ہے؟ یقیناً اجتہاد ایک مخصوص حد شرع میں رہتے ہوئے اپنی رائے کے اظہار کا نام ہے' لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ہر ایک اپنی آزادانہ رائے کا اظہار کرے اور شریعت کو بالائے طاق رکھ دیا جائے۔

اجتہاد ایک عملِ پیہم اور جُہدِ مسلسل کا نام ہے جو ابتدائے اسلام سے لے کر قیامت تک جاری رہے گا۔اس کی مثال سائنس جیسی ہے۔ جیسے سائنس میں مبادیات اور اصولوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے ایک نامعلوم چیز کو معلوم کیا جاتا ہے اسی طرح اجتہاد میں بھی قرآن‘ حدیث اور اجماع کو پیش نظر رکھتے ہوئے اور ان مبادیات اور اصولوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے وہ شرعی مسئلہ دریافت کیا جاتا ہے جو نامعلوم ہے اسے اجتہاد کہتے ہیں۔ پھر جیسے سائنس میں کبھی کسی حتمی رائے کے بعد کوئی نئی دریافت ہوتی ہے جس سے پہلی تحقیق کا رد ہوتا ہوتو اس کو قبول کرلیا جاتا ہے اور پہلی تحقیق پرعمل چھوڑ دیا جاتا ہے اسی طرح اجتہاد میں بھی اگر کسی مجتہد نے کوئی رائے قائم کی اور اپنی کوئی تحقیق پیش کی اور بعد کی تحقیق نے اس کا غلط ہونا ثابت کر دیا تو پچھلی تحقیق پر عمل چھوڑ دیا جائے گا اور نئی صائب تحقیق جو کہ قرآن وسنت کے زیادہ قریب ہواس پرعمل کیا جائے گا۔

ہم کہہ سکتے ہیں کہ سائنسی اندازِ فکر کے خالص مذہبی استعمال کو ’’اجتہاد‘‘ کہا جاتا ہے۔جس طرح سائنس ترقی پذیر ہے اور اپنا ارتقائی سفر مکمل کر رہی ہے‘اسی طرح اجتہاد بھی ایک ترقی پذیر عمل ہے جو بدلتے ہوئے تہذیب وتمدن اور انسان کے معاشرتی ارتقاء پر اپنا اثر چھوڑ رہا ہے اور تاابد چھوڑتا رہے گا۔ تاریخی تجزیہ کے طور پر ہم یہ نتیجہ بھی اخذ کرسکتے ہیں کہ جدید دور کے سائنسی انداز ومنہج کا اصل منبع وسرچشمہ فکر اسلامی ہے۔ دوسرے لفظوں میں اسلام کے ابتدائی پانچ چھ سوسال میں اسلامی قوانین کے استنباط واستخراج کے لیے جو اصول ومنہج اختیار کیا جاتا رہا اُسی کا عکس اور پرتو ہمیں بعد کی صدیوں میں اُبھرنے والے سائنسی انداز اور منہج میں کارفرما نظر آتا ہے۔اس بات کو ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ اسلام جدید دور کا خالق ہے۔اگر قرآنی سوچ اور قرآنی واسلامی فکر کا دنیا میں غلبہ اور پھیلاؤ نہ ہوتا تو دنیا آج بھی دورِ جاہلیت اور تاریکی کے اندھیروں میں رہ رہی ہوتی۔ خلاصہ کلام یہ کہ فقہ اسلامی کا اہم رکن اجتہاد اس چیز کا بہت بڑا ثبوت اور علامت ہے کہ اسلام سائنسی سوچ اور اپروچ کا خالق اور پروموٹر ہے۔

اسلام دینِ فطرت ہے۔گویا اسلامی احکام کو انسانی فطرت کے قریب کرنے کے لیے اسلامی شریعت کے اصولوں میں لچک اور اعتدال کوملحوظ رکھا گیا ہے تاکہ کسی پر بارِگراں نہ گزرے اور دیگر مذاہب کی طرح مسلمان بھی اپنے مذہب سے برگشتہ نہ ہو جائیں۔ چونکہ تہذیب وتمدن اور معاشرہ ہمیشہ ایک جیسا نہیں رہتا اور ان میں تبدیلیاں وقوع پذیر ہوتی رہتی ہیں‘اس لیے انسان کو آسانی اور سہولت دینے کی غرض سے اجتہاد جیسے عمل کو فروغ دیا گیا ہے‘ تاکہ مسلمان اس سے استفادہ کرتے ہوئے مذہب اسلام میں وہ جمود پیدا نہ ہونے دیں جو اس سے ماقبل کے دیگر مذاہب کو دیمک کی طرح چاٹ گیا۔ چنانچہ مختلف حالات وواقعات میں مسلمان فقہ واجتہاد کے ذریعے اسلامی احکام پرعمل کرتے ہوئے وہ نئے راستے تلاش کرتے ہیں جن سے دین پر چلنا آسان ہو جائے۔ چونکہ اسلام انسانیت کا مذہب ہے اس بنا پر مسلمانوں کے علاوہ دیگر انسان بھی اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ ماضی میں جس طرح مسلمانوں نے اسلامی معاشرہ میں اسلام کے نفاذ کوممکن بنایا اس کی آج اشد ضرورت ہے۔ ان حالات میں اجتہاد ہی اسلام کے نفاذ کا ممکن العمل طریقہ ہے جس میں غور وفکر کی ضرورت ہے۔

اجتہاد کی اسی اہمیت وافادیت پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر ظہور احمد اظہر لکھتے ہیں:

’’اجتہاد وقت کی نہ صرف اہم ترین ضرورت ہے بلکہ اس کے بغیر مسلمان آج کے تہذیبی تصادم میں متعین

اقدار کا معیار سمجھنے سے قاصر ہیں۔ آج کے دور میں پیش آمدہ مسائل کی نشاندہی اور ان کا حل جدید علوم و فنون کے بغیر سمجھ میں نہیں آتا' اجتہاد کے ذریعے مشکل ترین مسائل کا حل آسانی سے مل جاتا ہے۔ اجتہاد نہ صرف یہ کہ ایک شدید ترین ضرورت ہے' بلکہ مسلمان قوم کی بیداری اور ترقی کا مفید ترین وسیلہ بھی ہے' اس کی اہمیت وافادیت اس کے لغوی معنی اور اصطلاحی مفہوم سے بھی عیاں ہے۔ اس کے معنی ومفہوم سے ہی ایک ولولہ تازہ کا پیغام اور جوشِ عمل کی دعوت مترشح ہوتی ہے۔ یہ بات صبر واستقامت کی طرف بھی اشارہ کرتی ہے اور عزم وہمت کے ساتھ جہد مسلسل کی بھی غماز ہے۔''(۱۷)

اجتہاد شریعتِ اسلامیہ میں بنیادی اصول ہونے کے باوجود معیار کے اعتبار سے مختلف ادوار میں اہمیت کا حامل رہا ہے۔ چنانچہ علماء سلف نے اجتہاد کے بنیادی تصورات پر غور وخوض کیا ہے۔ پروفیسر محمد عثمان کے مطابق:

''اسلامی قانون سازی کی تاریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ ہمارے بزرگوں کے نزدیک اجتہاد کے تین درجے تھے' کامل آزادی کے ساتھ قانون سازی' محدود آزادی جو کسی مخصوص مذہب فقہ کی حدود کے اندر کام میں لائی جاسکتی ہے اور وہ مخصوص آزادی جو محض ان مسائل میں استعمال کی جاسکے جس کا فقہ کے بانیوں نے خود کوئی حل تجویز نہ کیا ہو۔''(۱۸)

اسلام دینِ فطرت ہونے کے باعث انسانی زندگی کے جملہ شعبوں میں اس کی رہنمائی ورہبری کرتا ہے۔ چونکہ زمانہ تغیّر پذیر ہے اور ہر آنے والا دن نئے مسائل اور نئی پیچیدگیاں لا رہا ہے' ایسے حالات میں مسلمانوں کے دینی ومذہبی راہنماؤں کے پاس دو ہی راستے ہیں۔ پہلا یہ کہ سوچ وفکر کی قوتوں کو جامد ومقید رکھتے ہوئے دنیا اور اس کے مسائل سے الگ تھلگ رہیں اور عوام الناس کو زمانے کی ٹھوکروں اور آسمانی ہدایت سے آزاد خودساختہ انسانی سوچوں کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا جائے۔ اور دوسرا یہ کہ شریعت کی روح کو ملحوظ رکھتے ہوئے انسانی مسائل اور نئے پیش آنے والے معاملات کا قابل عمل حل تجویز کیا جائے۔

اجتہاد کا عمل جتنا زیادہ ضروری ہے اس سے کہیں زیادہ نازک بھی ہے۔ چونکہ اس بات کا خطرہ ہر وقت موجود ہے کہ اجتہاد کی عام اجازت سے کہیں ہر کس وناکس اس میدان میں اپنے افکار وخیالات کے گھوڑے نہ دوڑانے لگے' علماء نے اس کی کڑی شرائط متعین کیں۔ اب جو ان شرائط پر پورا اترے گا وہی اجتہاد کرنے کا اہل ہوگا۔ ذیل میں اجتہاد کی ان شرائط کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے:

(۱) یہ کہ وہ عربی زبان کا عالم ہو۔ چونکہ قرآن وسنت عربی زبان میں ہونے کے علاوہ فصیح بھی ہیں اس لیے ان کے اسلوب' حقیقت ومجاز' تشبیہ کا علم ضروری ہے۔ امام شافعی ؒ اس سے ایک قدم اور آگے بڑھتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ عربی کا علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر ضروری ہے' تاکہ اس کے دین میں درستگی پیدا ہوسکے۔ اگر مجتہد کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ علوم عربیہ کا متبحر عالم ہو تو عامی کے لیے کم از کم اتنا تو لازم ہے کہ قرآن کی تلاوت کرسکے اور اجمالی طور پر اس کے مطالب سمجھ سکے۔

(۲) قرآن مجید کا اتنا علم رکھتا ہو کہ اس کے لیے اجتہاد کرنا ناممکن نہ ہو۔ اسے احکام کی تمام آیات کا علم ہونا چاہیے۔ ان کے اسبابِ نزول سے کما حقہ واقف ہو۔ امام شافعی ؒ کے نزدیک قرآن مجید کا تمام حفظ ہونا بھی ایک شرط ہے' لیکن عام علماء اسے بطور شرط بیان نہیں کرتے۔

(۳) سُنّت کا علم‘ طریق روایت‘ روایت کے درجے‘ راویوں کے مراتب‘ احادیثِ احکام اور جن مواقع پر وہ احادیث بیان کی گئی ہیں‘ ان تمام باتوں کا جاننا بھی مجتہد کے لیے ضروری ہے۔

(۴) ان احکام کا علم جن پر صحابہ کا اجماع ہو‘ فقہاء کے اقوال سے نہ صرف پوری طرح واقف ہو بلکہ ان میں اسے مہارت حاصل ہو اور ان کے درمیان موازنہ کرنے کی اس میں صلاحیت ہو۔

(۵) فقہی قیاس کے قوانین کا علم اور ان قواعد وضوابط کا علم جن پر چل کر صحابہؓ‘ تابعینؒ‘ ائمہ مجتہدین نے قیاس کے ذریعہ استخراج احکام کا کام کیا۔

(۶) شریعتِ اسلامیہ کے عام مقاصد کی معرفت اور وہ مصالح جن کا اعتبار اسلام نے کیا ہے‘ نیز جن پر احکام کی بنیاد رکھی ہے۔[۱۹]

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ؒ اجتہاد کی شرائط کے حوالہ سے فرماتے ہیں:

”اجتہاد کے لیے ناگزیر ہے کہ انسان کتاب وسنت کے (کم از کم) اتنے حصے کا علم رکھتا ہو جو احکام سے متعلق ہے‘ اجمالی مسائل سے واقف ہو۔ قیاس کی شرائط وحدود اور فکر ونظر کے طریقوں سے آگاہ ہو‘ عربی زبان کا ماہر ہو‘ ناسخ ومنسوخ پر اس کی نظر ہو اور راویوں کے حالات سے باخبر ہو۔“[۲۰]

دورِ حاضر میں مجتہد کو چاہیے کہ وہ مختلف مسالک کے فروعی مسائل کو باہم قریب کرنے کی کوشش کرے اور جملہ مسالک میں حقائق تلاش کرے۔ چنانچہ اگر کسی نے ان مسالک میں کوئی شے نظر انداز کر دی ہے مگر زمانہ اس کا محتاج ہے تو وہ اسے پیش نظر رکھتے ہوئے اپنی رائے کا اظہار کرے۔ اس طریقہ سے کیا گیا اجتہاد نہ صرف عظیم الشان ہوگا بلکہ اپنی وسعت اور تنوع کے باعث دیرپا اور قابل عمل بھی ہوگا۔

ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اجتہاد کن مواقع پر کیا جائے گا؟ کیا یہ کسی بھی وقت کیا جا سکتا ہے یا اس کی بھی کوئی شرائط ہیں؟ علمائے کرام نے اس سوال کا جواب بھی پیش کیا ہے:

(۱) اجتہاد ان احکام ومسائل میں ہو جن میں فقہاء پہلے غور وفکر کر چکے ہیں۔

(۲) ان احکام ومسائل میں ہو جو پہلے سے موجود نہ ہوں بلکہ حالات وتقاضے کے مطابق اب ان کی ضرورت پیش آ رہی ہو۔

(۳) اجتہاد سابق فقہاء کی رائے کے موافق ہو۔

(۴) بنیاد میں اتفاق کے باوجود مختلف وجوہات کی بناء پر آراء مختلف ہوئی ہوں۔

(۵) اجتہاد شورائی طرز کا ہو کہ آپس میں ایک دوسرے کی اعانت ومدد سے کسی نتیجہ پر پہنچا گیا ہو۔

(۶) انفرادی اجتہاد ہو اور اس میں قلبی طمانیت حاصل ہوئی ہو۔

(۷) اجتہاد موقع ومحل کی تعیین کے لیے ہو۔

(۸) اجتہاد مختلف اقوال میں حالات کے لحاظ سے ترجیحی صورت پیدا کرنے کے لیے ہو۔

(۹) حکم شرعی کا اصل مقصد فوت ہو رہا ہو اور اس کو واپس لانے کی غرض سے حکم کا نیا قالب تیار کرنے کے لیے اجتہاد ہو۔

(۱۰) حالات کی تبدیلی کی بنا پر اصل حکم میں مشقت و دشواری پیش آ رہی ہو یا مضرت کا یقین ہو تو سہولت پیدا کرنے کے یا دفعیہ مضرت کے لیے اجتہاد ہو۔(۲۱)

اجتہاد ایک ناگزیر عمل ہے۔ایک زندہ اور تحرک پذیر معاشرہ جو اسلام کی راہنمائی میں زندگی کے نظام کو جاری رکھنا چاہتا ہے اس کے لیے اجتہاد کا دروازہ کبھی بھی بند نہیں کیا جا سکتا۔جیسا کہ اپنے نام ہی سے واضح ہے کہ اجتہاد کے معنی انتہائی کوشش کے ہیں‘ یعنی زندگی کے ہر ہر گوشے اور شعبے کو اسلام کی روشنی سے منور کرنے کی انتہائی کوشش ہی کا دوسرا نام اجتہاد ہے۔

واضح رہے کہ اجتہاد اسلام کے دعویٰ کے ساتھ اس کے احکام اور اس کے مقاصد سے فرار کا نام نہیں ہے۔ اجتہاد دین اور ایمان کے معاملہ میں معذرت خواہی اور احساسِ کمتری کا نام بھی نہیں ہے۔اجتہاد اسلام کو موم کی ناک بنانے کا نام بھی نہیں ہے کہ دنیا میں غالب ہونے والے کسی گمراہ فلسفے یا شیطانی فکر سے مرعوب ہو کر اسلامی احکام کی تعبیر و تشریح اس کے مطابق کرنے کی کوشش کی جائے۔اجتہاد مغربی فلسفوں اور تہذیب کے استیلاء اور غلبے سے متاثر ہو کر سرمایہ دارانہ اور کمیونزم کے فلسفوں سے اسلام کو آلودہ کرنے کا نام بھی نہیں ہے۔بلکہ اجتہاد کی اصل روح اور اصل حقیقت میں یہ انتہائی کوشش اور جذبہ کارفرما ہوتا ہے کہ انسانی زندگی کا کوئی بھی گوشہ‘ انسانی زندگی کا کوئی بھی عمل ’’اسلام اور ایمان‘‘ کی روشنی اور رہنمائی سے محروم نہ رہے۔

بنیادی طور پر اجتہاد کو چار ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

(۱) نبی کریم ﷺ کا اجتہادی دور
(۲) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا اجتہادی دور
(۳) تابعین عظام رحمہم اللہ کا اجتہادی دور
(۴) ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ کا اجتہادی دور

نبی کریم ﷺ کا اجتہادی دور

فقہی اجتہاد کا آغاز نبی کریم ﷺ کے عہد ہی سے ہو گیا تھا۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دورانِ سفر بعض ایسے امور سے سابقہ پیش آتا جن سے متعلق شرعی نصوص کا انہیں علم نہ ہوتا تو وہ اجتہاد کر لیتے اور سفر سے واپسی کے بعد نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے اجتہاد پیش کرتے۔آپ ﷺ یا تو انہیں برقرار رکھتے یا پھر ان کی تصحیح فرما دیتے۔ایسا بھی ہوا کہ آپ ﷺ نے ان امور کے بارے میں صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا جن کے بارے میں وحی خاموش تھی۔جیسا کہ آپ ﷺ نے غزوۂ بدر کے قیدیوں کے بارے میں مشورہ کیا تھا۔حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما دونوں نے اجتہاد فرمایا۔آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اجتہاد کو قبول فرما کر اسے نافذ کر دیا۔لیکن آپ ﷺ کو اس فیصلہ کے درست نہ ہونے کی اطلاع وحی کے ذریعہ کر دی گئی۔(۲۲) اسی طرح اذان کے معاملہ میں بھی باقاعدہ مشاورت کی گئی اور صحابہ کرامؓ کے اجتہادات کی روشنی میں نبی کریم ﷺ نے وہ طریقہ پسند فرمایا جو آج تک چلا آ رہا ہے۔

نبی کریم ﷺ کی اجتہادی مشاورت بالکل عمومی نوعیت کی نہ ہوا کرتی تھی بلکہ چنیدہ لوگوں کو آپ ﷺ اس باب میں اجازت مرحمت فرماتے تھے۔اس حوالہ سے عبدالصمد صارم تحریر فرماتے ہیں:

’’بعض مسائل و معاملات کے متعلق حضور ﷺ خود حکم دیتے تھے‘ بعض میں صحابہ کرامؓ سے مشورہ فرماتے

تھے۔ جیسے اذان کے معاملہ میں یا اسیرانِ جنگ بدر کے معاملہ میں شوریٰ —— ہر صحابی کے لیے نہ تھی بلکہ ان حضرات سے مشورہ کیا جاتا تھا جن کا علم و عقل تجربہ وسیع تھا' حاضر باشی یا تقویٰ وطہارت پر ہی اس کا انحصار نہ تھا۔ جب مسلمانوں کی تعداد بڑھ گئی اور اکثر اصحاب صحبت رسول کریم ﷺ سے اچھی طرح مستفید ہوئے تو حضور ﷺ نے بعض صحابہ کو اجتہاد و فتویٰ کا مجاز قرار دیا۔''(۲۳)

نبی کریم ﷺ کے اجتہادی دور میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ آپ ﷺ نے نہ صرف خود متعدد مواقع پر اجتہاد کیا بلکہ اس عمل کو مستحسن جانتے ہوئے اجتہاد کرنے والے اور اس عمل میں سہواً غلطی کرنے والے کو بھی اجر کا مستحق قرار دیا۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

اِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ اَصَابَ فَلَهُ اَجْرَانِ وَاِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ اَخْطَأَ فَلَهُ اَجْرٌ (۲۴)

''اگر کوئی قاضی اپنے اجتہاد سے کوئی فیصلہ کرے اور وہ فیصلہ درست ہو تو اس کے لیے دو اجر ہیں (ایک صحیح ہونے کا دوسرا اجتہاد کا) اور اگر وہ اپنے اجتہاد سے کوئی فیصلہ کرے اور اس میں غلطی کر جائے تو بھی اس کے لیے ایک اجر ہے۔''

صحیح فیصلہ پر دو اجروں کے ثواب کی بات تو سمجھ میں آتی ہے' لیکن غلطی کرنے پر بھی اجر کا ملنا سمجھ سے بالاتر ہے۔ استاد ابوزہرہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی وضاحت ان الفاظ میں کی ہے:

''شریعت اسلامیہ میں مجتہد مخطی پر کوئی گناہ نہیں کیونکہ ایسا کرنے سے ہوسکتا تھا کہ علماء اجتہاد کرنا ہی ترک کر دیں۔''(۲۵)

نبی کریم ﷺ نے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو خاص طور پر اجتہاد کی اجازت مرحمت فرمائی تھی۔ چنانچہ مولانا محمد متین ہاشمیؒ لکھتے ہیں:

''یہ شواہد بھی موجود ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے بعض صحابہؓ کو عہد نبویؐ میں اجتہاد کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ ان میں جلیل القدر صحابی خلیفہ راشد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا نام سرفہرست ہے۔ بقول ڈاکٹر حمید اللہ رسولِ خدا نے اپنی زندگی میں ان کو مدینہ منورہ میں مفتی مقرر فرمایا تھا کہ جس کسی کو کسی مسئلہ کے متعلق قانونِ اسلام دریافت کرنا ہو عام طور سے انہی سے رجوع کریں' اور یہ وہ واحد شخص ہیں جو حضور اکرم ﷺ کی موجودگی میں فتویٰ دیتے تھے۔''(۲۶)

اسی طرح نبی کریم ﷺ نے جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تو پوچھا:

((كَيْفَ تَقْضِىْ؟)) فَقَالَ : اَقْضِىْ بِمَا فِىْ كِتَابِ اللّٰهِ' قَالَ: ((فَاِنْ لَمْ يَكُنْ فِىْ كِتَابِ اللّٰهِ تَعَالٰى؟)) قَالَ: فَبِسُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((فَاِنْ لَمْ يَكُنْ فِىْ سُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ؟)) قَالَ: اَجْتَهِدُ رَأْيِىْ ' قَالَ: ((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ وَفَّقَ رَسُوْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ)) (۲۷)

''جب کوئی مقدمہ تمہارے سامنے پیش ہوگا تو کیسے فیصلہ کرو گے؟ جواب دیا: جیسا کتاب اللہ میں ہے اس کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ پھر سوال کیا کہ اگر کتاب اللہ میں صراحت کے ساتھ ذکر نہ ہو تو پھر کیسے فیصلہ کرو گے؟ جواب دیا: پھر سنتِ رسول اللہ ﷺ کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ پھر سوال کیا کہ اگر سنت میں بھی صراحت کے ساتھ ذکر نہ ہو پھر کیسے فیصلہ کرو گے؟ جواب دیا: اگر ایسی حالت ہوئی تو میں اپنی رائے سے

اجتہاد کر کے فیصلہ کروں گا۔ (اس پر رسول اللہ ﷺ خوش ہوئے اور) فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے اپنے فرستادہ رسول کے فرستادہ کو اس بات کی توفیق دی (جو اُس کے رسول کو پسند ہے)۔''

نبی کریم ﷺ کے عمل سے متعدد اجتہادی دلائل موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آپؐ نے اجتہاد سے کام لیا۔

(۱) بلّی کے جھوٹے کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ یہ حرام نہیں ہے۔ اس کی علت یہ بیان فرمائی کہ لوگوں کے گھروں میں کثرت سے آتی جاتی ہے۔(۲۸)

(۲) ابتدا میں قربانی کے گوشت کو ذخیرہ کرنے سے منع فرمایا' لیکن بعد میں اجتہاد کرتے ہوئے اس کی اجازت دے دی۔(۲۹)

(۳) قبیلہ خشعم کی ایک عورت نے نبی کریم ﷺ سے دریافت فرمایا کہ میرے والد نے اسلام قبول کرلیا ہے اور وہ بہت زیادہ بوڑھے ہیں (ارکانِ حج ادا نہیں کر پائیں گے) تو کیا میں ان کی طرف سے حج ادا کرسکتی ہوں؟ تو آپ ﷺ نے اجتہاد سے کام لیتے ہوئے اسے اس کی اجازت دی۔(۳۰)

(۴) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے روزہ کی حالت میں اپنی اہلیہ کا بوسہ لیا اور نبی کریم ﷺ سے اس بارے میں دریافت فرمایا کہ کیا میرا روزہ ٹوٹ گیا ہے؟ تو فرمایا: ''کیا پانی منہ میں لینے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے؟''(۳۱)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجتہادی دور

اس میں کوئی شک نہیں کہ نبی کریم ﷺ کے دور میں اجتہاد بہت کم ہوا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وحی الٰہی کا سلسلہ ابھی منقطع نہیں ہوا تھا۔ لیکن جتنا اجتہاد ہوا وہ اس لیے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس کی رغبت دلائی جائے اور انہیں پیش آمدہ مسائل سے نمٹنے کا عادی بنایا جائے' تاکہ وہ جدید مسائل میں شرعی نصوص سے استفادہ کرتے ہوئے امت کی بہتر طور پر رہنمائی کرسکیں۔

صحابہ کی پوری جماعت اہل فتویٰ نہ تھی اور نہ شرعی و دینی امور میں سب کو مراجعت حاصل تھی' بلکہ افتاء کا منصب صرف حفاظ کے لیے مخصوص تھا۔ اس گروہ کو قرآن کے ناسخ و منسوخ' محکم و متشابہ اور جملہ استدلالات و علل پر گہری نظر حاصل تھی' کیونکہ اس نے براہِ راست چشمہ رسالت سے اکتسابِ فیض کیا تھا یا اجلّہ صحابہؓ سے قرآن کی روشنی اخذ کی تھی۔ اس گروہ کو قراء کے لقب سے پکارا جاتا تھا' یعنی قرآن پڑھنے اور سمجھنے والے۔ عرب چونکہ اَن پڑھ قوم تھی' پڑھے لکھے افراد انگلیوں پر گنے جاسکتے تھے' اس لیے قرآن کو پڑھنے والے نادر الوجود ہونے کی وجہ سے ناخواندہ قوم میں قراء کہلاتے تھے۔ دَورِ اوّل تک تو اس گروہ کے لیے قراء کا لقب متداول تھا' البتہ جب اسلامی سلطنت کی حدود دُور دُور تک پھیل گئیں' کتاب و سنت کے چرچے نے عرب سے ناخواندگی اور جہالت کی تاریکی کافور کردی' قریہ قریہ اجتہاد و استنباط کی روشنی ظہور میں آئی۔ جو لوگ مقدمات و نزاعات کے فیصلے کے لیے قاضی اور جج کی حیثیت سے مقرر کیے جاتے تھے وہ براہ راست قرآن و حدیث سے رہنمائی حاصل کرتے تھے۔(۳۲)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجتہاد کے متعلق مولانا محمد تقی امینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں جب فتوحات کی کثرت ہوئی اور مختلف تمدنی زندگی سے سابقہ پڑا تو نئے نئے اجتماعی و سیاسی مسائل ابھر آئے جن کو حل کیے بغیر معاشرہ کی رہنمائی کی کوئی شکل نہ تھی۔''(۳۳)

چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اجتہاد سے بھرپور فائدہ اٹھایا اور اس استفادہ کے نتیجے میں پیش آمدہ مسائل کا حل تجویز کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قاضی شریح کو خط لکھا تھا کہ جو واقعہ تمہیں پیش آئے اور اس کا حکم قرآن وسنت میں نہ ہو تو اس پر خوب سوچو اور اس کو پوری طرح سمجھنے کی کوشش کرو' پھر ایک معاملہ کو دوسرے معاملہ پر قیاس کرو۔ معاملات کو مختلف نظریوں سے پہچانو' پھر جو تمہاری رائے میں اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسندیدہ ہو اور حق کے قریب ہو تو اس پر اعتبار کرو۔(۳۴) اسی طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ کو ایک خط میں لکھا تھا:

''جو فیصلہ تم نے آج کیا پھر تم نے اس فیصلے سے رجوع کرتے ہوئے اپنی صائب رائے سے صحیح فیصلہ کرلیا تو اپنے سابق فیصلے کو چھوڑ کر حق کی طرف رجوع کرنے میں دریغ نہ کرو۔ کیونکہ حق قائم ودائم رہتا ہے اور کوئی شے اسے حق ہونے سے نہیں روک سکتی۔ لہٰذا حق کی طرف رجوع کرنا زیادہ عرصہ باطل پر رہنے سے بہتر ہے۔''(۳۵)

(۱) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مانعینِ زکوٰۃ کی سرکوبی کے لیے فوج روانہ کرنے کا ارادہ فرمایا تو بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے' نے آپ کے اس عمل کی مخالفت کی۔ ان کی دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول تھا کہ جس نے ''کلمہ لا الٰہ الا اللہ'' پڑھ لیا اس کی جان اور اس کا مال محفوظ ہوگیا۔ مگر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ جن کی نظر اس حکم کے ہر پہلو پر تھی انہوں نے اس دلیل کا جواب اسی دلیل سے یہ دیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ساتھ یہ بھی تو فرمادیا تھا کہ ''اِلَّا بِحَقِّ الْاِسْلَامِ''(۳۶) چنانچہ انہوں نے مانعینِ زکوٰۃ کے خلاف جہاد کیا اور ان کا یہ اجتہاد درست ثابت ہوا۔

(۲) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد اجتماعی زندگی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو غالباً سب سے اہم مسئلہ زمین کی تنظیم وتقسیم کا پیش آیا۔ چنانچہ عراق وشام فتح ہونے کے بعد زمین کی تنظیم وتقسیم کے بارے میں اختلاف ہوا۔ صحابہ کرامؓ کے ایک گروہ کی رائے یہ تھی کہ زمین مجاہدین میں تقسیم کردی جائے۔ اس میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف وحضرت بلال رضی اللہ عنہما وغیرہ شامل تھے۔ جبکہ دوسرے گروہ کی رائے یہ تھی کہ زمین اصل باشندوں کے پاس رہنے دی جائے۔ اس میں حضرت عمر' حضرت عثمان' حضرت طلحہ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم وغیرہ تھے۔(۳۷) اُس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت تھا۔ انہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنے موقف پر قائل کیا اور اس پر اجتہاد کرتے ہوئے زمینوں کو ان کے اصل مالکوں کے پاس ہی رہنے دیا۔

(۳) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قحط کے زمانہ میں چوری کی سزا قطع ید ملتوی کردی تھی۔(۳۸) آپؓ کا یہ عمل اجتہادی تھا۔

(۴) نماز تراویح کی بیس رکعات کا حکم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اجتہادی فیصلہ تھا۔(۳۹)

(۵) نمازِ جمعہ کی دوسری اذان حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا اجتہادی فیصلہ تھا۔

ایک طرف تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اجتہاد سے استفادہ کرتے ہوئے بہت سے مسائل کا حل دریافت فرمایا تو دوسری طرف وہ اس عمل میں حد درجہ احتیاط برتتے تھے۔ نیز اپنے عمل کو حجت قرار نہیں دیتے تھے' بلکہ ان کے پیش کردہ اجتہاد سے عمدہ اجتہاد مل جانے پر اپنے اجتہاد کو چھوڑ دینے کا حکم تھا۔

چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کلالہ کی وراثت کے متعلق پوچھا گیا تو مسئلہ بیان کرنے کے بعد فرمایا:

اَقُوْلُ فِیْھَا بِرَاْیِیْ ، فَاِنْ یَکُنْ صَوَابًا فَمِنَ اللّٰہِ وَاِنْ یَکُنْ خَطَأً فَمِنِّیْ وَمِنَ الشَّیْطَانِ (۴۰)

''میں اپنی رائے سے بات کہتا ہوں' اگر وہ صحیح ہے تو اللہ کی طرف سے ہے اور اگر غلط ہے تو میری اور شیطان کی طرف سے ہے۔''

اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے عورت کے طلاق لینے کے اختیار کے متعلق فرمایا:

أَجْتَھِدُ فِیْھَا بِرَاْیِیْ ، اِنْ اَصَبْتُ فَمِنَ اللّٰہِ وَاِنْ اَخْطَأْتُ فَمِنِّیْ وَمِنَ الشَّیْطَانِ (۴۱)

''میں اپنی رائے سے فتویٰ دیتا ہوں' اگر وہ درست ہے تو اللہ کی طرف سے ہے اور اگر غلط ہے تو میری اور شیطان کی طرف سے ہے۔''

تابعین کا اجتہادی دور

تمدن کی وسعت' فتوحات کی کثرت اور علمی ترقی کی وجہ سے صحابہؓ کے مقابلے میں تابعین کو اجتہاد کی زیادہ ضرورت پیش آئی جس کی بنا پر انہوں نے اجتہاد کے دائرہ کو زیادہ وسیع کیا اور اس کے لیے انہوں نے درج ذیل تین بنیادی کام کیے:

(۱) حکومتی سطح پر رسول اللہ ﷺ کی احادیث کو جمع کیا۔

(۲) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال وفتاویٰ اور ان کے اجتہادات کی شیرازہ بندی کی۔

(۳) اجتہاد کے ذوق کو علمی رنگ دیا۔ (۴۲)

تابعین کے دور میں اجتہاد کے لیے تین قسم کے مسائل متعین ہوئے:

(۱) وہ نئے مسائل جو تمدن کی وسعت' فتوحات کی کثرت اور علمی ترقی کی وجہ سے پیدا ہوئے۔

(۲) وہ مسائل جن پر پہلے اجتہاد ہو چکا ہے اور اب حالات وظروف کی تبدیلی سے ان کا مقصد فوت ہو رہا ہو یا ان پر عمل درآمد سے لوگوں کو غیر معمولی مشقت پیش آ رہی ہو۔

(۳) وہ مسائل جن کا ذکر نص میں موجود ہے لیکن زمانی مصلحت کی وجہ سے صحابہؓ نے ان کے نفاذ کا موقع ومحل متعین کیا تھا۔ (۴۳)

یہ دور بنواُمیہ کا دور بھی کہا جا سکتا ہے۔ اس دور میں مسلمانوں کے دیگر علوم وفنون کی بھی داغ بیل ڈلی اور اسی دور میں اجتہاد کا دائرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور کی بنسبت زیادہ وسیع بھی ہوا۔ اس حوالہ سے ڈاکٹر جمال الدین لکھتے ہیں:

''جب ہم تابعین کے دور کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ محسوس کرتے ہیں کہ تابعین کے دور میں اجتہاد واستنباط کا دائرہ وسیع ہو جاتا ہے۔ ایک تو اس لیے کہ نئے نئے واقعات کی کثرت ہوگئی' دوسرے اس لیے بھی کہ تابعین کی ایک جماعت فتویٰ کے لیے گویا وقف ہوگئی تھی۔ ان حضرات کے سامنے تین مصادر تھے۔ کتاب اللہ' سنت رسول ﷺ اور صحابہؓ کے فتاویٰ۔ ان میں سے بعض وہ حضرات تھے جو نص نہ موجود ہونے کی صورت میں مصلحت شرعی کو بنیاد بنا کر حکم شرعی کا استنباط کرتے تھے اور بعض دیگر حضرات قیاس کی راہ اپناتے تھے۔'' (۴۴)

نبی کریم ﷺ کے تربیت یافتہ صحابہ کرامؓ اجتہاد کے حوالہ سے حد درجہ احتیاط کرتے تھے۔ نیز اس دور میں اسلامی سلطنت کی وسعت ابھی اتنی دور تک نہ پھیلی تھی۔ لیکن تابعین کے دور میں اس وسعت میں نہ صرف اضافہ

ہوا بلکہ استحکام بھی نصیب ہوا۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمانوں کو نئے نئے مسائل سے نبرد آزما ہونا پڑا اور اپنی رائے سے اجتہاد کرنا پڑا اور یہ اجتہاد صحابہ کرامؓ کے دور سے نسبتاً زیادہ مقدار میں ہوا۔

اس دور کا سب سے اہم کارنامہ احادیث نبویہ ﷺ کا باقاعدہ مدوّن ہونا تھا۔ بقول مولانا محمد تقی امینی تابعین میں حکومتی سطح پر احادیث جمع کرنے کی طرف سب سے پہلے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے توجہ دی اور مدینہ و دیگر اطراف کے حکام و کبار علماء کو اس سلسلے میں خطوط لکھے اور نہایت محنت و جانفشانی کے ساتھ یہ کام پایہ تکمیل کو پہنچا۔(۴۵) حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے اس کام سے اس دور کے فقہاء کو احادیث مبارکہ کا چھان پھٹک کیا ہوا ایسا عظیم الشان ذخیرہ میسّر آ گیا جس سے اجتہاد کے مراحل نسبتاً آسان ہو گئے۔

ائمہ مجتہدین کا اجتہادی دور

اجتہاد کا زریں دور اگر کہا جا سکتا ہے تو اس دور کو کہا جا سکتا ہے۔ کیونکہ اس دور میں اجتہاد سے بہت زیادہ کام لیا گیا اور فقہاء نے اس کے اصول مدون کیے۔ اس دور میں چونکہ بہت سی نئی قومیں حلقہ بگوش اسلام ہوئیں اس لیے ان کی عادات‘ خصائل اور رسوم و رواج کی وجہ سے کئی پیچیدگیاں پیدا ہوئیں۔ اس حوالہ سے مولانا محمد تقی امینیؒ لکھتے ہیں:

> ’’ان لوگوں کے اختلاط سے اسلامی معاشرہ میں ایک عجیب کش مکش پیدا ہوئی اور ان کے ساتھ معاملات نے بہت سے نئے مسائل پیدا کیے۔ نیز حالات کی تبدیلی سے بعض قدیم مسائل کے موقع و محل متعین کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ ائمہ مجتہدین کو اللہ کروٹ کروٹ چین نصیب کرے کہ انہوں نے نہ صرف وقتی اور زمانی حالات کا مقابلہ کیا بلکہ اجتہاد کے ایسے زریں اصول وضع کیے کہ ان کے ذریعہ ہر دور و زمانہ میں نمو پذیر زندگی اور ترقی پذیر معاشرہ کی رہنمائی آسان ہو گئی۔‘‘(۴۶)

دوسری صدی ہجری میں اسلامی فقہ کے چار عظیم مکاتب فکر اُبھرے۔ ان مکاتبِ فکر کے ائمہ نے انفرادی اور اجتماعی زندگی کے اکثر معاملات میں اجتہاد کے ذریعے بہت سے اصول وضع کیے۔ اگرچہ ان فقہی مکاتب کے رہنما اسلامی شرع کی تاریخ میں اختلافِ رائے کا سبب رہے‘ تاہم ان کے بعد اجتہاد کا دروازہ بند ہونے سے اسلامی فکر کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا۔(۴۷)

چونکہ اسلامی فقہ انسانی زندگی کے جملہ پہلوؤں سے بحث کرتی ہے‘ اس لیے اس کا دائرہ کار بہت وسیع ہے۔ چنانچہ مسائل جدیدہ کے حل کے لیے مجتہدین نے قیاس‘ استحسان‘ استصلاح اور استدلال کے طریقے اپنائے جو اجتہاد ہی کی اقسام ہیں۔ چنانچہ اس دور میں مجتہد کا درجہ صرف اسی شخص کو حاصل ہوتا تھا جو ان جملہ علوم کا ماہر ہو اور ان سے استفادہ کرتے ہوئے آزادانہ طور پر کسی فیصلہ پر پہنچنے کی مکمل صلاحیت رکھتا ہو۔ اگرچہ اس دور میں بہت سے ائمہ نے اجتہاد کیا مگر ان میں سے چار ائمہ کو زیادہ شہرت نصیب ہوئی:

☆ امام مالک ؒ ☆ امام ابوحنیفہ ؒ ☆ امام شافعی ؒ ☆ امام احمد بن حنبل ؒ

ان فقہاء کی فقہیں نہ صرف قائم رہیں بلکہ انہیں دوام حاصل ہوا اور امت کے کثیر طبقہ نے ان پر اعتماد کرتے ہوئے ان کے اجتہادات کو تسلیم کیا۔ ایک طرف تو ان ائمہ نے امت پر احسان کرتے ہوئے لاکھوں مسائل مدوّن کر دیے تو دوسری طرف وہ اس حوالہ سے انتہائی حزم و احتیاط سے کام لیتے رہے۔ اس حوالہ سے

امام ابوحنیفہ ؒ فرماتے ہیں:

''جب کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ میں کوئی مسئلہ مجھے نہیں ملتا تو جس صحابی کا قول چاہتا ہوں لے لیتا ہوں' جس کا چاہتا ہوں چھوڑ دیتا ہوں۔ پھر ان کے دائرۂ اقوال سے نکل کر کسی دوسرے قول کی طرف رجوع نہیں کرتا۔ یہاں تک کہ معاملہ ابراہیم شعبی' حسن' ابن سیرین اور سعید بن مسیّب پر پہنچتا ہے تو مجھے بھی حق ہے کہ جیسے وہ اجتہاد کرتے تھے میں بھی کروں۔''(۴۸)

اسی طرح امام مالک ؒ کے متعلق منقول ہے کہ ان سے جب کوئی فتویٰ پوچھا جاتا تو وہ اس کا جواب اس طرح ڈرتے ہوئے دیتے تھے گویا وہ جنت اور دوزخ کے درمیان کھڑے ہوں۔(۴۹) امام ابوحنیفہ ؒ نے قرآن وحدیث کے بعد اجتہاد کو اہمیت دی' اس کے برعکس امام مالک ؒ کا زیادہ زور اہل مدینہ کی رائے کی طرف رہا' جبکہ امام شافعی ؒ نے ان دونوں کی درمیانی راہ اپنائی۔

جب امام شافعی ؒ نے اس میدان میں قدم رکھا تو انہوں نے دیکھا کہ صحابہ کرامؓ وتابعین عظام اور ائمہ مجتہدین سے منقول ایک بڑا فقہی ذخیرہ موجود ہے۔ آپ نے بھی اپنے پختہ فہم کے ساتھ علم کے اس سمندر میں غوطہ لگایا۔ ایک طرف تو آپ نے مدینہ کے فقہی علوم امام مالکؒ سے حاصل کیے' دوسری جانب امام محمدؒ سے عراق کے فقہی ذخیرہ کو اخذ کیا اور تیسری طرف مکہ مکرمہ میں نشوونما اور سکونت کی بنا پر آپ وہاں کے فقہی علوم کے حامل تھے۔ اس طرح تینوں فقہی سکولوں سے کسبِ فیض کے ساتھ ان فقہی مناقشات نے ان کے ذہن کو اس طرف متوجہ کیا کہ کچھ قواعد وضع کریں جس سے اجتہاد میں خطا وصواب کا پتا چل سکے۔ یہی قواعد آج اصول فقہ کے نام سے معروف ہیں۔(۵۰)

لیکن اس کے ساتھ ساتھ امام ابوحنیفہ ؒ کی اجتہادی بصیرت کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ انسانی فطرت سے قریب تر ہے اور مختلف حالات وواقعات کے تناظر میں پیش آنے والے مسائل کو ان کی فقہی بصیرت نے انتہائی سہل انداز میں پیش کیا ہے۔ اس حوالہ سے مفتی عبدالقیوم کی یہ رائے بھی محلِ نظر ہے کہ:

''امام ابوحنیفہ کے اصول وقواعد کی خصوصیت یہ ہے کہ آپ نے ان کی وضع میں وسعت اور جامعیت کو پیش نظر رکھا' تاکہ ایک مسلمان جس حیثیت میں بھی ہو' جس ضرورت میں مبتلا ہو اور زندگی کے کسی بھی پہلو میں اس کو رہنمائی کی ضرورت ہو اس کو حنفی اصول کی روشنی میں یہ رہنمائی حاصل ہو جائے۔ چنانچہ آپ نے اصولِ فقہ کا مفہوم دوسرے ائمہ کرام کے پیش کردہ مفاہیم کی نسبت زیادہ وسیع پیش فرمایا۔''(۵۱)

شاید یہی وجہ ہے کہ امام ابوحنیفہ ؒ کی فقہ کو جو شہرت نصیب ہوئی وہ دیگر کسی فقہ کو حاصل نہ ہوئی۔ ایک طرف تو امام ابوحنیفہؒ نے اجتہاد کے ذریعہ فقہ اسلامی کے مسائل کو حل کرنے کی سعی کی تو دوسری طرف وہ اپنے ناقدین کی تنقید سے بھی نہ بچ سکے جو اس حکم کے نفاذ کو غیر ضروری قرار دیتے تھے۔

بہرحال تابعین کے عہد کے بعد جب ہم مجتہدین کے عہد کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ بات محسوس ہوتی ہے کہ یہ مناہج تابعین کے عہد کے مقابلہ میں زیادہ واضح ہیں' مشکل میں ایک دوسرے سے ممتاز ہو جاتے ہیں اور مناہج استنباط کے متمیز ہونے کے ساتھ استنباط کے قوانین اور اس کی علامتیں نہایت اجاگر ہو جاتی ہیں اور ائمہ مجتہدین کی زبانوں پر صریح' واضح اور فنی عبارتوں میں یہ مناہج اور قوانین واشگاف ہوتے ہیں۔(۵۲)

اگرچہ ائمہ مجتہدین کے اجتہاد نے باہمی اختلافات کی فضا قائم کی لیکن یہ ایک فطری عمل ہے کہ جب کوئی نئی

چیز دریافت کی جاتی ہے تو اس میں باہمی اختلافات کوئی انوکھی چیز نہیں سمجھی جاتی۔

اجتہاد میں رائے کے اختلاف کی اہمیت مسلم ہے اور اس سے قوتِ استدلال کے ذریعہ مسائل پر غور وخوض کرنے میں مدد ملتی ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ میں بھی بعض اجتہادی مسائل میں اختلاف ہوا ہے۔

چنانچہ جو شخص فقہ سے دلچسپی رکھتا ہو اسے چاہیے کہ کسی ایک ہی امام کے مذہب پر اکتفا نہ کرے' بلکہ ہر مجتہد کے اقوال پر نظر ڈالے' تمام کے اندر ڈوب کر حق کا سراغ لگائے اور اس غواصی میں اسے جو قرآن وسنت سے زیادہ قریب ملے اس کو اختیار کرے۔ (۵۳) چنانچہ فقہ خواہ کسی بھی امام کی ہو وہ ہماری فقہ ہے اور ان سب کی بنیاد کتاب وسنت اور اجتہاد کے صحیح اصولوں پر قائم ہے اور یہ ہمارا مشترکہ سرمایہ ہے۔ اس حوالہ سے مولانا امین احسن اصلاحیؒ فرماتے ہیں:

''ان میں سے کسی کے خلاف یا کسی کے حق میں بے جا تعصب میں ہمیں مبتلا نہیں ہونا چاہیے۔''(۵۴)

ائمہ مجتہدین کا یہ اختلاف کبھی اصول پر نہیں ہوا بلکہ ہمیشہ فروع میں ہوا۔ اس اختلاف کا ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ آج ہمارے پاس فقہ اسلامی کا جس قدر ذخیرہ موجود ہے وہ شاید اس کے بغیر ممکن نہ ہوتا۔ ڈاکٹر رشید احمد جالندھری لکھتے ہیں:

''یہ اسی اجتہاد رائے ہی کا کرشمہ تھا کہ آج ہمارے ہاتھوں میں فقہ اسلامی کا قابل قدر ذخیرہ موجود ہے۔''(۵۵)

اس اختلاف سے اگرچہ یار لوگوں کو بہت سی باتیں بنانے کا موقع ملا لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس سے ہمارے ائمہ کی وسعت قلبی کا پتا چلتا ہے کہ وہ خود کو خطا سے بری نہیں سمجھتے اور اپنے شاگردوں کے اختلاف کا بھی احترام کرتے نظر آتے ہیں۔ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم نے لکھا ہے کہ:

''غور وفکر سے قانون سازی کا کام تاریخ انسانی میں یا رومۃ الکبریٰ کے فقہاء نے کیا ہے اور یا پھر مسلمان فقہاء نے' لیکن دقت نظر اور وسعت فکر کے باوجود کسی امام مجتہد نے اپنے نظام فقہ کو بری عن الخطا نہیں سمجھا اور خود ان کے اکابر شاگردان سے اختلاف کرنے میں دریغ نہ کرتے تھے۔''(۵۶)

اس کے بعد آہستہ آہستہ اجتہادِ مطلق ختم ہوتا چلا گیا اور اس کی جگہ اجتہاد مقید نے لے لی۔ جوں جوں زمانہ گزرتا گیا اجتہادی قابلیتوں میں اضمحلال رونما ہوتا گیا اور ان مذاہب کے اپنے اپنے محدود دائرہ کے اندر جاری رہنے والا اجتہادِ مقید بھی کمزور پڑتا گیا(۵۷) اور فقہ اسلامی میں اجتہاد کی جگہ مطلقاً تقلید اور جمود نے لے لی۔ اسلامی نظام اور اسلامی علوم کے زوال وانحطاط کے سبب سے ایسے لوگوں کا پیدا ہونا کم ہو گیا جو اجتہاد کی اہلیت رکھنے والے ہوں۔ (۵۸) بہرحال اس مضمون کو میں ڈاکٹر مصطفیٰ احمد زرقا رحمہ اللہ کے اس تجزیہ پر ختم کرتا ہوں جو انہوں نے اجتہاد کے حوالہ سے بیان فرمایا ہے:

''فقہ اسلام کی تاسیس کے ابتدائی دور میں متقدمین مجتہدین کی بے لوث اور ان تھک مساعی کی وجہ سے انفرادی اجتہاد قوم کے حق میں بڑا سودمند ثابت ہوا اور موجب خیر وبرکت ثابت ہوا۔ اس سے شریعت کے باغ کو سرسبز وزرخیز بنانے اور اس سے خاطر خواہ ثمرات حاصل کرنے کے لیے عزائم میں قوت اور

ارادوں میں پختگی پیدا ہوئی۔ اساطین علم آگے آئے۔ استنباط مسائل کے قواعد و ضوابط مرتب کیے............اگر پہلی تین صدیوں میں یہ انفرادی اجتہاد کارفرما نہ ہوتا تو یقیناً آج ہمارے لیے یہ عظیم الشان فقہی ثمرات حاصل کرنے ممکن نہ ہوتے۔''(۵۹)

حوالہ جات

(۱) محمد جاوید، ڈاکٹر، افکار اقبال، ص۱۹۔
(۲) متین ہاشمی، ڈاکٹر، سہ ماہی منہاج (نفاذ شریعت نمبر) ص ۸۷۔
(۳) امینی، محمد تقی، اجتہاد، ص۲۱۔
(۴) محمد ابوزہرہ، اسلامی قانون اور اجتہاد، چراغ راہ (اسلامی قانون نمبر)، ج ۲، ص ۱۵۰۔
(۵) صبحی صالح، فلسفہ شریعت اسلام، ص۲۱۳۔ (۶) ضیاء الدین احمد، دانائے راز، ص ۱۳۵۔
(۷) نیاز عرفان، اقبال اور پارلیمانی اجتہاد، ص ۱۴۵۔
(۸) جعفری، حسین محمد، اقبال اور فکر اسلامی کی تشکیل جدید، ص ۱۲۸۔
(۹) امینی، محمد تقی، اسلام اور جدید دور کے مسائل، ص ۱۸۔
(۱۰) گوہر رحمٰن، اجتہاد اور اوصاف مجتہد، ص ۲۰۔ (۱۱) محمد عثمان، ڈاکٹر، فکر اسلامی کی تشکیل نو، ص ۱۴۵۔
(۱۲) عبداللہ، ڈاکٹر، سید، مطالعہ اقبال کے چند نئے رخ، ص۱۹۰۔
(۱۳) غازی، محمود احمد، ڈاکٹر، محاضرات فقہ، ص ۳۳۲۔۳۳۱۔
(۱۴) قاسمی، مجاہد الاسلام، اسلامی عدالت، ص ۸۰۔
(۱۵) ندوی، مجیب اللہ، اجتہاد اور تبدیلی احکام، چراغ راہ (اسلامی قانون نمبر)، ج ۲، ص ۱۵۹۔
(۱۶) ایضاً۔
(۱۷) ظہور احمد اظہر، ڈاکٹر، سہ ماہی منہاج (اجتہاد نمبر)، ص ۱۴۵۔
(۱۸) محمد عثمان، ڈاکٹر، فکر اسلامی کی تشکیل نو، ص ۱۵۵۔
(۱۹) محمد ابوزہرہ، اسلامی قانون اور اجتہاد، چراغ راہ (اسلامی قانون نمبر)، ج ۲، ص ۱۵۵۔
(۲۰) دہلوی، شاہ ولی اللہ، امام، مسئلہ اجتہاد، چراغ راہ (اسلامی قانون نمبر)، ج ۲، ص ۱۲۳۔۱۲۲۔
(۲۱) ایضاً، ص ۲۴۳۔۲۴۲۔
(۲۲) محمد ابوزہرہ، اسلامی قانون اور اجتہاد، چراغ راہ (اسلامی قانون نمبر)، ج ۲، ص ۱۵۰۔
(۲۳) صارم، عبدالصمد، تاریخ الفقہ، ص ۲۰۔
(۲۴) البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح البخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، ح: ۶۸۰۵۔ وصحیح مسلم، کتاب الاقضیۃ، ح: ۳۲۴۰۔
(۲۵) محمد ابوزہرہ، اسلامی قانون اور اجتہاد، چراغ راہ، (اسلامی قانون نمبر)، ج ۲، ص ۱۵۱۔۱۵۰۔
(۲۶) متین ہاشمی، سہ ماہی منہاج (اجتہاد نمبر ۱۹۸۳ء)، ص ۱۲۶۔
(۲۷) الترمذی، محمد بن عیسیٰ، السنن للترمذی، ج ۳، ص ۶۱۶۔

(۲۸) ابن ماجہ‘ محمد بن یزید‘ السنن ابن ماجہ‘ ص ۳۰۔
(۲۹) البخاری‘ محمد بن اسماعیل‘ الجامع الصحیح البخاری‘ ج ۵‘ ص ۲۱۱۶۔
(۳۰) محمد فواد عبدالباقی‘ اللؤلؤ والمرجان‘ ج ۱‘ ص ۴۴۶۔
(۳۱) احمد بن حنبل‘ امام‘ مسند الامام احمد بن حنبل‘ ج ۱‘ ص ۲۸۶۔
(۳۲) الحامدی‘ خلیل احمد‘ اسلامی نظام مشاہیر اسلام کی نظر میں‘ ص ۲۲۶۔
(۳۳) امینی‘ محمد تقی‘ اجتہاد‘ ص ۴۳۔
(۳۴) الجوزیہ‘ محمد بن ابی بکر‘ اعلام الموقعین‘ ج ۱‘ ص ۶۳۔
(۳۵) محمود الحسن عارف‘ ڈاکٹر‘ سہ ماہی منہاج (نفاذ شریعت نمبر ۱۹۸۵ء)‘ ص ۹۷۔
(۳۶) ندوی‘ مجیب اللہ‘ اجتہاد اور تبدیلی احکام‘ چراغ راہ (اسلامی قانون نمبر)‘ ج ۲‘ ص ۱۷۹۔
(۳۷) امینی‘ محمد تقی‘ اجتہاد‘ ص ۴۷۔
(۳۸) ندوی‘ مجیب اللہ‘ اجتہاد اور تبدیلی احکام‘ چراغ راہ (اسلامی قانون نمبر)‘ ج ۲‘ ص ۱۸۲۔
(۳۹) ایضاً‘ ص ۲۱۷۔
(۴۰) الدارمی‘ عبداللہ بن عبدالرحمٰن‘ السنن دارمی‘ ج ۲‘ ص ۴۶۲۔
(۴۱) ملاجیون‘ احمد بن سعید‘ نور الانوار‘ ص ۲۵۰۔ (۴۲) امینی‘ محمد تقی‘ اجتہاد‘ ص ۶۰۔
(۴۳) ایضاً‘ ص ۶۸۔۶۷۔
(۴۴) جمال الدین عطیہ‘ ڈاکٹر‘ فقہ اسلامی کی نظریہ سازی‘ ص ۱۶۔
(۴۵) امینی‘ محمد تقی‘ اجتہاد‘ ص ۶۱۔ (۴۶) ایضاً‘ ص ۶۸۔
(۴۷) محمد اشرف‘ مسلم امہ اور اقبال‘ ص ۱۶۲۔ (۴۸) حسن اختر‘ اقبال اور مسلم مفکرین‘ ص ۱۱۔
(۴۹) اصلاحی‘ امین احسن‘ اسلامی ریاست میں فقہی اختلافات کا حل‘ ص ۲۵۔
(۵۰) جمال الدین عطیہ‘ ڈاکٹر‘ فقہ اسلامی کی نظریہ سازی‘ ص ۱۸۔
(۵۱) عبدالقیوم‘ سہ ماہی منہاج (اجتہاد نمبر ۱۹۸۳ء)‘ ص ۱۷۔
(۵۲) جمال الدین عطیہ‘ ڈاکٹر‘ فقہ اسلامی کی نظریہ سازی‘ ص ۱۷۔
(۵۳) اصلاحی‘ صدر الدین‘ اختلافی مسائل میں اعتدال کی راہ‘ ص ۵۳۔
(۵۴) اصلاحی‘ امین احسن‘ اسلامی قانون کی تدوین‘ ص ۸۰۔
(۵۵) جالندھری‘ رشید احمد‘ المعارف (اپریل تا جون ۱۹۹۹ء)‘ ص ۵۴۔
(۵۶) عبدالحکیم‘ خلیفہ‘ ڈاکٹر‘ فکر اقبال‘ ص ۸۴۷۔
(۵۷) زرقا‘ مصطفیٰ احمد‘ ڈاکٹر‘ اجتہاد اور تجدید قانون اسلامی‘ چراغ راہ (اسلامی قانون نمبر)‘ ج ۲‘ ص ۱۴۵۔
(۵۸) اصلاحی‘ امین احسن‘ اسلامی قانون کی تدوین‘ ص ۵۶۔
(۵۹) زرقا‘ مصطفیٰ احمد زرقا‘ ڈاکٹر‘ اجتہاد اور تجدید قانون اسلامی‘ چراغ راہ (اسلامی قانون نمبر) ج ۲‘ ص ۱۴۷۔

❁❁❁